قسط ہفت دہم:-

میر کا سیاسی اور سماجی ماحول

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

• گذشتہ سے پیوستہ •

بادشاہوں اور امراء کی اخلاقی اور مذہبی زندگی

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے صحیح کہا ہے کہ:-

"سلطان روح کے مانند ہے اور رعایا جسم کی طرح۔ اگر روح صالح ہوتی ہے تو جسم بھی صالح رہتا ہے، اگر روح فاسد ہو جاتی ہے تو بدن میں بھی فساد پڑ جاتا ہے۔"[1]

اگر اس قول کی روشنی میں اورنگ زیب کے جانشینوں کی اخلاقی اور مذہبی حالت کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ مغل بادشاہوں کی ہر بے راہ روی سے عوام اثر پذیر ہوتے تھے۔ اور دربارِ مغلیہ میں عیش و عشرت کی جو مجلسیں سجتی تھیں اُن کے مہلک جراثیم دور دراز واقع جھونپڑوں تک اپنا کام کرتے تھے۔[2]

بہادر شاہ اول (۱۷۰۷ء - ۱۷۱۲ء) اورنگ زیب کا بیٹا اور جانشین تھا۔ اس کی ابتدائی تعلیم رواجِ زمانہ کے مطابق اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی، ایامِ اسیری میں اُس کا تمام وقت عبادت اور ریاضت میں گذرتا تھا۔[3] لیکن تخت نشینی کے بعد اُس کے مذہبی عقائد متزلزل ہو گئے اور شیعہ عقائد کی طرف قوی ترجحان ہو گیا تھا، اسکی

---

[1] مکتوباتِ مجددی - ج ۲ - ص ۱۳۵ - [2] FALL OF THE MUGHAL EMPIRE, I, P8

[3] تاریخ ہندی (قلمی) ص ۴۲۳ - ۴۲۴ -

بے راہ روی اور آزاد خیالی کے سبب سے ملک میں متعدد بلوے ہوئے۔[۱]

طباطبائی، جو خود بھی شیعہ تھا، بڑے فخر کے ساتھ لکھتا ہے کہ:-

"بہادر شاہ...... در ترویج و تقویتِ مذہب شیعہ می کوشید"[۲]

حضرتِ علیؑ کے نام کے ساتھ خطبوں میں "وصی مصطفیٰ" کا اضافہ کروادیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور، احمد آباد۔ گجرات اور دوسرے مقامات پر مذہبی نزاع کے باعث فسادات بھی ہوئے۔ حاجی یار محمد نے بڑی جرأت اور ہمت کے ساتھ بادشاہ کو اس بے راہ روی پر ٹوکا۔[۳]

بہادر شاہ کے بعد جہاں دار شاہ (۱۲-۱۷۱۳ء) تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ ایک ڈومنی لال کنور پر ایسا فریفتہ ہوا کہ خود ہر وقت نشے میں دُھت رہتا تھا اور حکومت کی باگ ڈور اس رقاصہ کے ہاتھ میں دے رکھی تھی۔[۴]

غرض کوئی ایسی بداخلاقی اور سماجی گناہ نہ تھا جو اس عورت کے اثر میں نہ کیا گیا ہو۔ حضرت ظلِ سبحانی لال کنور کے ساتھ بازاروں اور باغوں میں سیر و تفریح کرتے پھرتے تھے، شراب خانوں میں جاتے تھے۔ بزرگوں کی خانقاہوں اور مزاروں پر اولادِ نرینہ کی تمنا لے کر حاضر ہوتے تھے۔ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مزار سے ملحق جھرنے میں لال کنور کے ساتھ، ایک ہی چادر میں ملبوس غسل کرتا تھا۔[۵] اُس کے حکم سے ایک مینا بازار کا انتظام کیا گیا جہاں اہلِ حرفہ کی لڑکیاں جمع ہوتی تھیں اور بادشاہ انہیں

---

[۱] سیر المتاخرین (نول کشور) ج ۲ ص ۳۸۱۔ یحییٰ خاں کا بیان ہے کہ: "در ابتدائے سال پنجم بسبب بعضے مصاحبان طبع بادشاہ از عقیدہ طریق سنت و جماعت در ظاہر برگشت و بعضے امور خلاف شرعی را خواست کہ شائع کند" تذکرۃ الملوک (ق) ۱۱۶ الف، تاریخ ہندی۔ (ق) ص ۴۲۴-۴۲۳۔ تاریخ مظفری (قلمی) ص ۹۵ الف۔

[۲] سیر المتاخرین (فارسی) ج ۲۔ ص ۳۸۱۔ [۳] برائے تفصیل۔ منتخب اللباب (فارسی) ج ۲۔ ص ۶۰۳، ۶۶۳-۶۶۵۔ تذکرۃ الملوک۔ ص ۱۱۶ الف و ب۔ سیر المتاخرین (فارسی) ج ۲۔ ص ۳۸۱۔

[۴] تاریخ چہار گلشن (ق)، ص ۲۰ الف - ۲۱ ب، سیر المتاخرین (اُردو ترجمہ) ج ۲۔ ص ۱۳۔

[۵] تذکرۃ الملوک (ق) ص ۱۱۹ الف۔ تاریخ مبارک نامہ (ق) ص ۶۱ ب۔

اپنی ہوسناکیوں سے آلودہ کرتا تھا۔[۱]

اس بے راہ روی کا عوام و خواص پر جو اثر ہوا اس کا ذکر خافی خان نے ان الفاظ میں کیا ہے:-

"در عہدِ ناپائیدار جہاندار شاہ کہ بنائے ظلم و فسق را استحکام تمام شد، چنانچہ بازار رود و سرود قوالان و کلاونت و ڈھاڑی گرم شدکہ نزدیک بود کہ قاضی قرابہ کش و مفتی پیالہ نوش گردد"[۲]

جہاں دار شاہ کے بعد فرخ سیر (۱۷۱۳ء - ۱۷۱۹ء) تخت نشین ہوا۔ وہ انتظامی امور میں بہت کمزور تھا۔[۳] یہ حضرت شاہ عبدالرحیم[۴] کا روحانی اثر تھا کہ وہ اتنی مدت تک تختِ حکومت پر متمکن رہ سکا۔[۵]

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ:-

"شاہ صاحب نے صرف اس غرض سے کہ مسلمانوں کا سیاسی اقتدار کہیں ان آئے دن کی تبدیلیوں کی نذر نہ ہو جائے، اس کو قائم رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن کمزوری ایک ایسا مرض تھا جس نے اُسے کبھی حالات پر قابو نہ پانے دیا"[۶]

اس عہد میں ایک بڑا مذہبی فتنہ بھی برپا ہوا یعنی میر محمد حسین مشہدی نے جو عمدۃ الملک امیر خان عالمگیری صوبہ دار کابل کا داروغۂ خوشبو خانہ اور اس کی لے پالک کا شوہر تھا۔ بہادر شاہ اوّل کے عہد میں اپنا نام "نمود و انمود" رکھا اور ایک نئے مذہب کی بنیاد گذاری کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے مرید "فربود" کہلاتے تھے اور اُن کے نام کے ساتھ 'نمود' کا لفظ لگا ہوتا تھا۔[۷]

فرخ سیر اُس ریاکار کا استغنا دیکھ کر اس کا معتقد ہو گیا تھا۔ وہ ایک دن چھپ کر اس کے حجرے میں آیا

۱؎ تاریخ مبارک نامہ (ق) ص ۶۱ ب۔ ۲؎ خافی خان (فارسی) ۳؎ لیٹر مغلس (انگریزی) ج ۱۔ ص ۳۹۶۔ ۴؎ برائے سوانح ملاحظہ ہو۔ انفاس العارفین۔ ۵؎ انفاس العارفین۔ ص ۶۲۔ ۶؎ تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۳۵۷۔ ۷؎ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ سیر المتاخرین (اردو ترجمہ) ج ۲ صفحہ ۴۳۔

غالباً اسی فرقے کے کسی شخص سے مناظرہ کرنے کے لئے میر تقی میر کے والد محمد علی عرف علی متقی نے لاہور کا سفر کیا تھا۔ "وہ خفشاں نمود کے نام سے مشہور تھا۔ اُس نے فارسی کے کچھ فقرے یاد کر رکھے تھے، ناسمجھ لوگ، جو اس کی ریاکاری کو پرکھ نہیں سکتے تھے اس کے سامنے ناک سے لکیریں کھینچتے تھے۔" ملاحظہ ہو، میر کی آپ بیتی۔ ص ۳۶ تا ۳۹۔

اور قدم بوس ہو کر نذر پیش کی [1] ہادی علی خاں بن امیر علی خان جو اس عہد کے امیروں میں تھا اور نواب قمرالدین خان وزیر کا باپ محمد امین خان بھی اس کے دامِ فریب کا شکار تھا۔[2]

اس کے "ذر بودوں" کی تعداد بیس ہزار تک پہونچ گئی تھی۔ لیکن اپنے خلیفۂ اول "دوجی بار" سے اختلاف ہو جانے کی وجہ سے اس کے فریب کا بھانڈا پھوٹ گیا اور احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں یہ تحریک ختم ہو گئی۔[3]

فرخ سیر کی عقیدت کی وجہ سے "کنو دوا لمود" کا اثر عوام پر اس قدر بڑھ گیا کہ ہزاروں کی تعداد میں اس کے مرید ہو گئے۔ بقولِ طباطبائی :-

"یہ حرکت (بادشاہ کی) زیادہ تر موجبِ اعتقاد ہوئی اور عموماً لوگوں پر اس کی مکاری نے اثر بہم پہونچایا"[4]

فرخ سیر کے بعد محمد شاہ (۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء) کا دور آیا تو اُسے عیش و عشرت کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ اپنے ۲۸ سالہ دورِ حکومت میں اگر کبھی وہ محل سے باہر نکلتا تھا تو لونی پارک میں سیر و تفریح کے لئے یا گڈھ کا میلہ دیکھنے کے لئے۔[5] شاکر خان کا بیان ہے کہ اس دور میں فسق و فجور اور لہو و لعب کا یہ عالم تھا کہ اُسے قلم بند کرتے ہوئے قلم کی زبان شق ہوتی ہے، اور اس کے بیان سے زبان کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں۔ اخلاقی زبوں حالی کا یہ حال تھا کہ تمام فرقے اور رسالے لال قلعہ کے دروازے پر ایک گدھے کا بچّہ اور ایک کُتیا باندھ کر دربار میں جانے والے امیروں

---

[1] برائے تفصیل سیر المتاخرین (اُردو ترجمہ) ج ۲- ص ۷۰-۷۲- [2] ایضاً ص ۷۲- [3] ایضاً ص ۷۳-۷۴- آخر میں اس گروہ کے کچھ افراد مرشد آباد چلے گئے تھے، جہاں اُن کو نواب کی سرپرستی حاصل تھی اور سرکار کی طرف سے بسر اوقات کے لئے وظیفے ملتے تھے۔ وہ لوگ علیحدہ ایک محلے میں سکونت رکھتے تھے۔ برائے تفصیل وقائع عبدالقادر (قلمی- رام پور) ص ۷۶- [4] سیر المتاخرین (اردو ترجمہ) ج ۲- ص ۷۲- [5] مغلیہ سلطنت کا زوال (انگریزی) ج ۱- ص ۶- اس کی وجہ اظفری نے یوں بیان کی ہے کہ محمد شاہ نزول الماء کے مرض کا شکار تھا جس کی وجہ سے وہ گھوڑے کی سواری نہیں کر سکتا تھا۔ لکھنؤ کے ایک زین ساز نے ایک مخصوص زین بنائی تھی۔ اُسے بادشاہ نے بہت انعام دیا تھا۔ اُس زین کے تیار ہونے کے بعد وہ کبھی کبھار گھوڑے کی سواری کرنے لگا تھا، ورنہ عام طور پر پالکی میں سوار ہوتا تھا۔ واقعاتِ اظفری۔

سے کہتے تھے کہ وہ اُن جانوروں کو سلام کریں کیوں کہ اُن میں سے گدھا نواب بہادر تھا اور کتیا نواب قدسیہ (والدۂ محمد شاہ)[1]

تاریخ محمد شاہی کے مصنف نے اس دور کی مذہبی اور اخلاقی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسجدیں برباد اور خطیب بے حال تھے، علماء اور فضلاء پژمردہ، خانقاہیں ویران تھیں اور شریعت زوال کی طرف مائل تھی،[2] آخر میں یہ مصنف لکھتا ہے :-

"بنیادِ اسلام سست شد و عمارات کفر استحکام پذیرفت"[3]

محمد شاہ کے دور میں شاہ جمال نامی درویش نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہ کھلے بندوں شراب پیتا تھا، ہزاروں آدمی اس کے معتقد ہو گئے تھے[4]

محمد شاہی دربار کا ذکر کرتے ہوئے حیرت دہلوی نے لکھا ہے کہ :-

"اب ہم محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں آتے ہیں جو انتہائی درجے کا ملکی اور مذہبی پہلو سے تاریک تر اور ناپاک تھا۔ شریعتِ محمدیؐ پر مضحکہ نکتہ چینیاں عین دربار میں ہوتی تھیں اور مے نوشی کی لذتوں اور مسرخوشانہ اور بیخودانہ حالتوں کے آگے احادیثِ نبوی پر قہقہے اڑائے جاتے تھے ......

وہ ڈوم ڈھاڑی جو محمد شاہ کے ارکانِ دولت تھے اور مذہبی نقلیں کرتے تھے اور اُن نقلوں میں خدا اور اُس کے پاک نبیؐ کی توہین کی جاتی تھی"[5]

چنانچہ ایک بار محمد شاہ کے دربار میں گفتگو کا موضوع یہ تھا کہ جمنا ندی جو پہلے قلعے کی دیوار سے متصل بہتی تھی، اب دور کیوں ہٹتی جا رہی ہے؟ ایک عالمِ دین نے کہا کہ "جہاں پناہ یہ فسق و فجور اور گناہوں کا اثر ہے جو قلعہ میں کئے جاتے ہیں" تو بادشاہ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو ہم یہ حرکتیں جمنا کے اس پار جا کر کریں تاکہ ندی پھر اس طرف کو بہنے لگے۔

---

[1] تاریخ شاکر خانی (ق) ص ۳۶-۳۷ - [2] تاریخ محمد شاہی (ق) ص 19 الف و ب، 25 الف و ب-

[3] تاریخ محمد شاہی - (ق) ص ۲۸ الف-

[4] حیاتِ طیبہ - حیرت دہلوی (مطبع فاروقی دہلی) ص ۷۰-

محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ (۱۷۴۸ء-۱۷۵۴ء) تخت پر بیٹھا۔ ایک میل لمبا چوڑا اس کا زنانہ محل تھا۔ ہفتوں تک وہ اس محل سے باہر نہ نکلتا تھا۔ تاریخ احمد شاہی کا مصنف کہتا ہے کہ:

"چوں احمد شاہ ...... از طفولیت تا ایں وقت کہ سنِ عمرش بہ بست و یک سالہ رسیدہ بود درمیانِ عورات حرم می گذرانید ...... و علاوہ آں فراہم آمدن اسباب انتعاش در ہنگام جوانی چوں ہر یکے ازیں فریق برائے گرمی بازار بحضور آں نونہال گلشن خلافت و جہاں داری آمدہ بکسب کار خود مشغول شدند۔ مزاجِ بادشاہ بلہو و لعب مائل شد" [۱]

احمد شاہ بادشاہ کو فنِ موسیقی میں پوری دسترس حاصل تھی۔ خلوت کی رقص و سرود کی محفلوں کا اختتام خود وہ اپنا گانا سنا کر کرتا تھا۔ بقول اظفری:-

"(آہ) مجھے وہ دن یاد آتے ہیں جب کہ دلّی کے باکمال استادوں سے کیسے کیسے گانے سننے میں آتے تھے، خاص کر ایک بار خلوت میں احمد شاہ بادشاہ بن محمد شاہ فردوس آرام گاہ اور شاہجہاں ثانی یعنی محی الملۃ ابن کام بخش اور شاہزادہ محمد جام بخش بن شہزادہ محمد کام بخش، موصوف سے ایسے ایسے گانے سُنے ہیں کہ پھر اُن کی جیسی رس بھری اور دل گداز آوازیں آج تک ہمارے کانوں کو سننے میں نہیں آئیں" [۲]

شاہ عالم ثانی [۳] (۱۷۵۹ء-۱۸۰۶ء) بن عالم گیر ثانی نے اپنی زندگی کا لُب لباب اپنی اس رباعی میں پیش کیا ہے:-

---

[۱] تاریخ احمد شاہی (قلمی) ص ۱۳ ب۔ [۲] واقعاتِ اظفری۔ ص ۱۸۶-۱۸۷۔

[۳] ایک مصنف نے شاہِ عالم بادشاہ کو اس وجہ سے دین دار بتایا ہے کہ وہ خواجہ میر درد کی مجلسِ سماع میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتا تھا۔ حالانکہ مجلسِ سماع میں شرکت کرنا ایک فیشن تھا۔ کسی شخص کے دین دار ہونے یا مذہبی ہونے سے اس بات کا کوئی تعلق نہ تھا۔ مرقع دہلی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارھویں صدی میں بلاتفریق مذہب و ملت ہندوستانی سماج کا ہر فرد محفلِ سماع میں شرکت کرتا تھا۔ لہٰذا ایسے اعمال کے حوالے دے کر بادشاہوں کی دینداری ثابت کرنے کی کوشش پر تعجب ہوتا ہے۔

صبح تو جام سے گذرتی ہے ٭ شب دلآرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے ٭ اب تو آرام سے گذرتی ہے [۱]

بادشاہ کے حرم کا ذکر کرتے ہوئے پولیر رقمطراز ہے کہ اُس کے محل میں پانچ سو سے زائد عورتیں تھیں اور اُسے عورتوں سے بے حد رغبت تھی۔ [۲]

کنور پریم کشور فراقی نے شاہ عالم کے بڑھاپے کے زمانے میں عزیزن نامی کنچنی سے اُس کے عشق کا ذکر کیا ہے اس کا بیان ہے کہ بادشاہ اس حدتک اس کا گرویدہ تھا کہ اگروہ کبھی روٹھ جاتی تو اس کے منانے میں ہر طرح کی ذلت ورسوائی برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔

"شب تب، سبب کوفت ورنجش کہ از خفگی باعزیزن ملکۂ عالم کہ معشوقہ خلیفۂ روزگار است وجہاں پناہ رابوی عشقی پیدا گردیدہ، وسالی چند است کہ او بوضع لولیاں اوقات بسر کردی. واز یاری بخت منظورِ نظر گردید، وبمشکوی اقدس جا یافتہ. بوجود مقدس شد، مجرائیاں باریاب گشتند، از بے قراری وغلبۂ عشق قلق بمزاج وہاج بود گاہی بجرم سر رفتہ، اگرچہ تکلم از طرفین نمی شد، بدیداری تسلیِ خاطر فاتر می نمودند وگہی بیرون خرامیدہ بابرادرانش بامید وبیم مخاطب می شدند وبعملہ وفعلۂ ادمی زمودند باو بفہمانند کہ براہ آید"

اس مایوسی اور یاس کے عالم میں بادشاہ ذیل کے شعر پڑھا کرتا تھا۔

مُردم از حسرت، بہ پیغامے دلم را شاد کن ٭ ای کہ میگفتی: (فراموشت نسازم) یاد کن

ان منتوں اور سماجتوں کے بعد بھی اگروہ مغرور وطناز راہ راست پر نہ آتی تو بدرجۂ مجبوری بادشاہ سلامت یہ شعر لکھ کر اس کی خدمت میں بھجواتے :-

دیکھیو پھر کبھو ادھر کو جو کرنا ہو نظر
دیدہ بازوں کے 'یہاں' سر کو جدا کرتے ہیں [۳]

---

[۱] تذکرہ شعرائے اُردو (میرحسن دہلوی) ص ۴۰ - وقائع عالم شاہی- ص ۷۲ -

[۲] SHAH ALAM II AND HIS COURT : P 70

[۳] وقائع عالم شاہی- ص ۱۱۶ - ۱۱۷ -

دہلی کے بازاروں، قہوہ خانوں اور چنڈو خانوں میں قلعۂ معلّٰی کی اِن داستانوں کا چرچا ہوتا تھا، لوگوں کی نظروں سے بادشاہی وقار تو گرتا ہی تھا، عوام کے اخلاق پر بھی اُس کا بُرا اثر پڑتا تھا۔

اخلاقی کمزوریوں نے بادشاہ کو دروغ گو اور دروغ پسند بھی بنا دیا تھا۔ خود بھی بڑھا چڑھا کر بات کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ فراقی کا بیان غور طلب ہے:-

"سبحان اللہ سخنانی کہ از صدق معرا باشد و در صدیکی راست بنود، در بزمِ شاہی بل بر زبان ظلِ الٰہی بگذرد، حق این است کہ بادشاہِ عالم پناہ خود از کذب و دروغ اجتناب ندارد۔ مردم مجبور اند۔ الناس علی دین ملوکہم، اگر دروغ گوئی وہرزہ درائی راہگیر ند و بسزا رسانند، کرا یارا است کہ سخن نا راست بر زبان آرد"[1]

شاہِ عالم ثانی ہندوستانی تہواروں میں بڑی دل چسپی لیتا تھا۔ دیوالی، دسہرہ، ہولی اور بسنت کے تہواروں کا بڑے جوش و خروش سے اہتمام کرتا۔ اور سرستی اور گودھن پوجن کے مراسم بھی بڑی خوش اعتقادی کے ساتھ ادا کرتا تھا۔[2] مختصر یہ کہ کوئی دن اور رات ایسی نہ گذرتی تھی جب دربارِ معلّٰی میں کوئی نہ کوئی جشن منعقد نہ ہوتا ہو۔[3]

طبقۂ امراء کی حالت | یہی حال اٹھارھویں صدی کے امیروں کا تھا۔ یہ طبقہ فیاضی اور عیاشی کے مشاغل میں بادشاہوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی حتی الامکان کوشش کرتا تھا۔ ہوجیج (HODGES) کا بیان ہے کہ مغلیہ سلطنت کے عروج کے زمانے میں امراء کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد قیدی عورتوں کو اپنی حرم سراؤں میں جمع کرنا سمجھا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں ملک کے گوشے گوشے اور بالخصوص وادیٔ کشمیر سے سیکڑوں کی تعداد میں عورتیں حاصل کی جاتی تھیں۔ کیوں کہ کشمیری عورتوں کا حسن مشہور تھا۔[4]

میر نے بھی اپنے عہد کے امیروں کی عیاشی اور اعمالِ خبیثہ کا ذکر کیا ہے:-

لال خیمہ جو ہے سپہر اساس ؛ پالیس ہیں رنڈیوں کی اس کے پاس
ہے زنا و شراب بے وسواس ؛ رعب کر لیجئے یہیں سے قیاس
قصہ کوتہ رئیس ہے عیاش[5]

[1] وقائع عالم شاہی۔ ص ۹۲-۹۳۔ نیز ص ۸۸۔ [2] برائے تفصیل۔ نادراتِ شاہی۔ [3] برائے تفصیل۔ بزمِ آخر
[4] HODGES'S TRAVEL, PP 21-22۔ [5] کلیاتِ میر۔ ص ۹۶۲۔

قزلباش خاں امید۔ ایرانی نژاد، عہدِ محمد شاہی میں ہندوستان میں وارد ہوا۔ رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے پنج ہزاری کے منصب پر فائز ہوگیا۔ اس کی عیش و عشرت نے رکاکت کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ عبدالحیٔ تاباں کے ذکر میں قدرت اللہ قاسم نے لکھا ہے:۔

"آخرہائے روز امردانِ شیریں ادا و سادہ رویانِ ملاحت (آما) درخانہ وے بزیور و زیور آراستہ و پیراستہ می شدند و حسب الطلب امرائے قزلباش در محا نہا نشستہ بشب مہمان می رفتند" [۱]

قطب الملک عبداللہ خاں کی طبیعت عیاشی اور جنسی تلذذ کی طرف بے حد مائل تھی۔ اس کے محل سرا میں بے شمار عورتیں تھیں۔ خافی خان کا بیان ہے کہ سید عبداللہ خان نے لاتعداد عورتیں جمع کر رکھی تھیں۔ اس پر بھی اُس کو تشفی نہ ہوتی تھی اور ایک موقع پر شاہی حرم سرا کی دو عورتیں اُس نے اپنے حرم میں داخل کر لی تھیں [۲]۔

درگاہ قلی خاں نے میرک (جو نواب وزیر الممالک قمرالدین خاں کی سرکار میں داروغۂ اربابِ طرب تھا) کی مجلسِ یازدہم کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

"چوں وزیر الممالک بتجرع میلے دارند و با اہلِ حسن و جمال و اصحابِ غنجے و دلال از انجا کہ توجہ خاطر ایں عزیز بتقدیم حسن خدمات معزز و محترم است و در تلاش مردم حسین طرفے دستے دارد و ہر روز پیکرے تازہ فسون تسخیر می کند از دیگر مصاحبانش مکرم خانہ اش از ہجوم جلوۂ گل رخاں گلشن آباد است و کاشانہ اش از ورود مہ جبینان آشیانۂ پری زاد ہر جا کہ گل رخسار یست مائلِ صحبت اوست و ہر کسے کہ نشۂ حسنے دارد شیفتۂ بزم سرا پا" [۳]

(باقی)

---

[۱] مجموعۂ نغز۔ ج ۱۔ ص ۱۳۲۔

[۲] خافی خان (فارسی) ج ۲۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔

[۳] مرقع دہلی۔ ص ۳۳۔ ۳۴۔